© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۴)

لیکن دوسرا طبقہ ان ہی مہاجرین اولین میں ان حضرات کا بھی تھا جس نے اصرار کیا کہ آپ واپس لوٹ جائیے، کہتے تھے کہ ایسے خطرناک موقع پر آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خاص صحابیوں کو لے کر اقدام کرنا مناسب نہ ہوگا اس اختلافی رائے کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ لوگ تشریف لے جائیے۔ وہ فیصلہ چاہتے تھے اور ان بزرگوں نے بجائے فیصلہ کے مسئلہ میں اور زیادہ تذبذب پیدا کر دیا تھا، پھر آپ نے ان لوگوں کو فوج سے بلوایا جو طبقۂ انصار سے تعلق رکھتے تھے یہی سوال ان کے سامنے بھی پیش کیا ان میں بھی اسی اختلاف رائے کو حضرت عمرؓ نے پایا، ان کو بھی آپ نے رخصت کر دیا۔ اور حکم دیا کہ قریش کے ان سربرآوردہ لوگوں میں سے جو جو فوج میں موجود ہوں بھیج دو جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، یعنی جنہیں "مہاجرۃ الفتح" کہتے تھے، کہتے ہیں کہ قریش کے یہ مشیخہ (بھاری بھرکم بڑے لوگ) جب حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے اس مسئلہ میں مشورہ لیا گیا تو اب کی ان میں سے ہر ایک کی رائے یہی ہوئی کہ آپ ہرگز ہرگز آگے بڑھنے کا ارادہ نہ فرمائیں اور یہیں سے مدینہ منورہ لوٹ جائیں حضرت عمرؓ نے ان کے مشورہ کو قبول کر لیا اور اعلان کر دیا کہ سرغ ہی سے آپ واپس ہو جائیں گے، بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے اس ارادہ پر اعتراض کیا خصوصاً ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا کہ آپ خدا کی تقدیر سے بھاگتے ہیں حضرت عمرؓ نے ان ہی کے اس اعتراض کے جواب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں وہ مشہور حکیمانہ فقرہ فرمایا کہ

نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ[1] میں خدا کی تقدیر سے خدا کی تقدیر کی طرف بھاگ رہا ہوں

ابھی حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اتنے میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے وہ کسی ضرورت سے کہیں گئے ہوئے تھے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے دونوں کی گفتگو کو سن کر فرمایا کہ میرے پاس اس مسئلہ کے متعلق ایک "علم" ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل و تقریر ہی کا نام علم تھا پھر اپنے علم کا اظہار ان الفاظ میں فرمانے لگے۔

---

[1] تقدیر و تدبیر کی پرانی جنگ کو جن تقریروں سے طے کرنے کی کوشش کی گئی ہے میرے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ چند الفاظ سب پر بھاری ہیں، مقصود حضرت کا بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ "تقدیر" خداوند تعالیٰ کے مقرر قوانین ہی کا تو نام ہے پس جیسے مرض اور بیماری بھی خدا کے قانون ہی کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے، اسی طرح مرض کا علاج جن دواؤں سے کیا جاتا ہے یہ دوائیں بھی کسی دوسرے کی بنائی ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ جیسے بیماری خدا کا قانون ہے اور دوا میں شفا بخشی کی قوت یہ بھی خدا کا قانون اور اس کی تقدیر ہی کا نتیجہ ہے، حضرت عمرؓ نے تمثیلاً ابو عبیدہ سے کہا بھی تھا کہ تمہارے پاس اگر اونٹ ہوں اور ان کو چرانے کے لئے گھر سے باہر نکلو سامنے دو وادی نظر آئیں ایک میں سبزہ لہلہا رہا ہو مرغزار ہو اور دوسری خشک میدان کی شکل میں ہو تو تم اس خشک وادی کو چھوڑ کر ہری بھری وادی کی طرف اگر رخ کرو گے تو خدا کی تقدیر سے کیا بھاگنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے جس وادی میں چرانے کا موقعہ تم کو ملے گا دونوں خدا کی تقدیر ہی ہوگی۔

طاعون کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے عہد سے اس وقت تک مختلف فیہا بنا ہوا ہے حنفی مکتب خیال کے علماء کی رائیں بھی مختلف ہیں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے درس حدیث میں ہمیشہ درمختار کے اس جزئیہ کو نقل فرمایا کرتے تھے جس کا ذکر "مسائل شتی" کے عنوان کے تحت اس کتاب میں کیا گیا ہے یعنی طاعون زدہ آبادی سے ہٹ جانے کی اجازت دی گئی ہے اسی میں لکھا ہے کہ ممانعت صرف ان لوگوں کی حد تک محدود ہے جو سمجھتے ہیں کہ ان کی تدبیر سے جان بچ گئی اس قسم کے اعتقاد رکھنے والے کو تو شاید دوا کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جا سکتی خود بخاری میں لاتخرجوا الا فرارا منہ کے الفاظ سے بھی لوگوں نے طاعون زدہ آبادیوں سے نقل مکان کا جواز نکالا ہے یعنی فراراً نکلنا ناجائز اور علاجاً نکلنا جائز ہے جیسے علاج و معالجہ کے سارے طریقے خدا کی دی ہوئی بیماری سے بھاگنا نہیں ہے اسی طرح وباز دہ علاقہ سے ہٹ جانا علاج ہی کا ایک طریقہ ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمعت رسول اللہ علیہ وسلم یقول اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض وانتم بہا فلا تخرجوا فرارا منہ ص۱۳۵ ج ۲	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ کسی علاقہ میں اس وبا کے پھوٹ پڑنے کی خبر جب تمہیں معلوم ہو تو اس علاقہ کی طرف نہ جاؤ اور جس علاقہ میں تم مقیم تھے اگر وہیں یہ وبا پھوٹ پڑے تو وبار سے بھاگنے کے قصد سے اس علاقہ سے نہ نکلو۔

ظاہر ہے کہ حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کی تائید موجود تھی جو اس طاعون زدہ علاقہ میں نہ جانے کے متعلق آپ نے اختیار فرمایا تھا گویا عین منشار نبوی کی تکمیل فرمار ہے تھے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے حدیث سن کر حضرت عمرؓ نے الحمد للہ کہا اور اپنے فیصلہ کے مطابق جس کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی ہو چکی تھی۔ آپ سرغ ہی سے مدینہ لوٹ گئے۔

بہر حال طاعون زدہ علاقوں میں رہنے نہ رہنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث جسے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے پیش کیا یا وجوب غسل کے مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نغل کے متعلق صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو علم تھا یہ اور اسی قسم کے متعدد ایسے واقعات حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیش آتے رہے ہیں جن سے ایک طرف تو اس نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ دین کے اس حصہ کی تبلیغ ایسے رنگ میں کی گئی تھی کہ مہاجرین والانصار صحابہ کا عام گروہ بسا اوقات اس سلسلہ کی حدیثوں سے ناواقف نظر آتا ہے اور کتنا ناواقف کہ ہزارہا ہزار صحابیوں کے درمیان ایک دو صاحب تک ان حدیثوں کا علم محدود ہے۔ اور دوسری طرف جہاں تک میں سمجھتا ہوں غالباً ان ہی تجربات کے تسلسل نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حدیثوں کے متعلق طرزِ عمل کے بدلنے پر شاید آمادہ کیا تھا میرا مطلب یہ ہے کہ بیہقی نے مدخل میں اور ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں زہری کے حوالہ سے حضرت عروہ بن زبیر کے اس بیان کو جو نقل کیا ہے کہ

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ	عمر بن خطاب نے چاہا کہ سنن یعنی حدیثوں کو لکھوا لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عنه اراد ان يكتب السنن فاستفتى اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك فاشاروا عليه ان يكتبها

جامع بیان العلم صفحہ ۶۴ ج ۱

جائے تب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے فتویٰ طلب کیا تو لوگوں نے یہی کہا کہ حدیثیں لکھوائی جائیں۔

صحابہ سے فتویٰ لینے کے لئے ان کی مجلس شوریٰ میں حضرت عمرؓ کا اپنی تجویز کو رکھنا۔ بہ ظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کی تبلیغ میں بجائے عمومیت کے خاص خاص افراد تک ان کے علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب مصلحت کے پیش نظر پہنچایا تھا اور ایک زمانہ تک خود حضرت عمرؓ بھی اسی مصلحت کی بنیاد پر ان حدیثوں کے بیان کرنے میں اقلال پر جو اصرار کرتے رہے تھے، یہی دریافت کرنا چاہتے تھے کہ کیا اس مصلحت کی رعایت کی ضرورت اب بھی باقی ہے؟ کیونکہ پہلے بھی میں کہہ چکا ہوں کہ اس خدمت کی نوعیت ایک وقتی خدمت کی تھی، نبوت اور نبوت سے قریب تر زمانوں میں عمومیت کا رنگ ان حدیثوں میں اگر پیدا ہو جاتا تو یقیناً آئندہ زمانے میں ان کے مطالبات میں زیادہ سختی پیدا ہو جاتی جو شارع علیہ السلام کا مقصود نہ تھا، سوال یہی تھا کہ وہ زمانہ گذر گیا یا ابھی ان اسباب کی مزاحمت کے سلسلے کو جاری رکھنے کی ضرورت ہے جن سے ان حدیثوں کے مطالبات میں شدت کے پیدا ہونے کا خطرہ پیش آسکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی اس مجلس شوریٰ نے یہی طے کیا کہ وہ وقت گذر گیا اور اب قلم بند ہو کر مسلمانوں کی ایک نسل سے دوسری نسل تک اگر حدیثیں منتقل بھی ہوتی رہیں گی تو لوگ ان کے مطالبات کو اسلام کے بنیادی مطالبات کے برابر نہ قرار دیں گے لیکن مجلس شوریٰ کے اس فیصلہ سے حضرت عمرؓ کا قلب مطمئن نہیں ہوا، لکھا ہے کہ استشارہ کے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرے مسنون طریقہ یعنی استخارہ سے بھی فیصلہ کی یکسوئی میں مدد حاصل کرنی چاہی، فاروقی احتیاط اور اس کی نزاکتوں کی یہ انتہا ہے کہ بجائے ایک دو دفعہ کے عروہ کا بیان ہے کہ

فطفق عمر يستخير الله فيها شهرا

صفحہ ۶۴

کامل ایک مہینہ تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملہ میں استخارہ کرتے رہے (یعنی جو پہلو خیر ہو اسی پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمل کی توفیق عطا ہو اس کی دعا کرتے رہے

ایک ماہ تک استخارہ کی نماز اور جو دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے سکھائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو جاری رکھا، آخر ایک ماہ کے بعد جس فیصلہ کو اپنے قلب مبارک میں آپ نے پایا عروہ نے اس کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

ثم اصبح یوما وقد عزم اللہ له فقال انی کنت ارید ان اکتب السنن وانی ذکرت قوما کانوا قبلکم کتبوا کتابا فاکبوا علیها وترکوا کتاب اللہ وانی واللہ لا اشوب کتاب اللہ بشیٔ ابدا ص ۶۴ ج ۱

پھر ایک دن جب صبح ہوئی اور اس وقت حق تعالیٰ نے فیصلہ میں یک سوئی کی کیفیت ان کے قلب میں پیدا کر دی تھی حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ میں نے حدیثوں کو قلم بند کرانے کا ارادہ کیا تھا پھر مجھے ان قوموں کا خیال آیا جو تم سے پہلے گذری ہیں کہ انھوں نے کتابیں لکھیں اور ان ہی پر ٹوٹ پڑیں اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ بیٹھیں اور قسم ہے اللہ کی کہ میں اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرنا نہیں چاہتا۔

بیہقی کے مدخل سے صاحب فتح الملہم نے اسی روایت کو جو درج کیا ہے اس میں بجائے "لا اشوب"

لا البس کتاب اللہ بشیٔ

یعنی اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مشتبہ ہونے نہ دوں گا۔

کے الفاظ ہیں۔

معنی "اشوب" اور "البس" دونوں کے قریب قریب ایک ہی ہیں اور یہی چیز در اصل دریافت طلب تھی یعنی کتاب اللہ کے مطالبوں کی جو کیفیت ہے آیا وہی کیفیت ان حدیثوں میں کبھی تو نہیں پیدا ہو جائے گی اگر اسی زمانہ میں ان کو قلم بند کر دیا گیا؟ استخارے نے حضرت عمرؓ میں اسی احساس کو استوار اور مستحکم کیا کہ ابھی اس کا خطرہ باقی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ گو نبوت کا زمانہ گذر چکا تھا، نبوت کے بعد خلافت کا ایک دور بھی ختم ہو چکا تھا اور دوسری خلافت پر بھی کافی عرصہ گذر چکا تھا، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ خلافت اور حکومت کی جانب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدون و مرتب کی ہوئی یا کرائی ہوئی حدیثوں کی کوئی کتاب دنیا میں اس وقت اگر موجود ہوتی تو کیا نفسیاتی طور پر مسلمانوں کے قابو کی یہ بات تھی کہ ان حدیثوں کے ساتھ اور ان سے پیدا ہونے والے احکام و مطالبات کے ساتھ وہ قلب کے تعلق کی نوعیت وہی باقی رکھ سکتے تھے جو آج خبر آحاد کی روائتوں کے ساتھ پائی جاتی ہے، چونکہ واقعہ سامنے نہیں ہے اس لئے کہنے والے جو کچھ چاہیں کہہ سکتے ہیں لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے استخارے کی دعاؤں میں جس خطرے کا احساس ہوا تھا یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ خلط ملط لبس اور گڈ مڈ ہو جانے کا خطرہ جسے انھوں نے

فو اللہ لا البس کتاب اللہ بشئ خدا کی قسم اللہ کی کتاب کو کسی دوسری چیز کے ساتھ مشتبہ ہونے نہ دوں گا۔

کے الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔ یقیناً یہ اندیشہ واقعہ کی شکل اختیار کر لیتا آخر مسلمان بھی انسان ہی ہیں، ان کے عواطف و جذبات، احساسات و تاثرات بھی وہی ہیں جو دوسرے انسانوں کے ہیں۔ ان ہی بے احتیاطیوں اور مراتب کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کا نتیجہ دوسری قوموں میں باین شکل ظاہر ہو چکا تھا جس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے کہ میں نے تم سے پہلے کی قوموں کو دیکھا کہ انھوں نے ایسی کتابیں لکھیں جن پر وہ اس طرح ٹوٹ کر گریں کہ اللہ کی کتاب چھوڑ دی گئی بہ ظاہر ان کا اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ دنیا کے سارے مذاہب و ادیان میں بھی یہی خلط مبحث پیدا ہوا یعنی ان کے یہاں دین کے بنیادی اور غیر بنیادی حصہ کی کوئی تقسیم باقی نہ رہی، مذہب کی طرف کسی چیز کا انتساب اس طاقت کو پیدا کر دینے کے لئے کافی ہے جس قوت کو صرف ان مطالبات ہی کی حد تک محدود رہنا چاہئے جن کی براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے ذمہ داری بندوں پر عاید کی گئی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ کتاب وسنت وقیاس سے پیدا ہونے والے نتائج کی گرفت اور لزوم کی قوت میں فرق سمجھا جاتا ہے[۱]۔

بہر حال کچھ بھی ہو، عروہ کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ خیال کرکے کہ اب آپ کی حدیثوں کے جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہی سوچ کر پانسو حدیثوں کا مجموعہ تیار بھی کر لیا تھا، لیکن بعد کو اپنے خیال کی غلطی آپ پر واضح ہوئی اور اسی وقت اس مجموعہ کو نذر آتش فرما دیا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی سالوں میں تو اسی پر مصر رہے کہ حدیثوں کی اشاعت میں عمومیت کی کیفیت کو پیدا ہونے نہ دیا جائے لیکن جیسا کہ میرا خیال ہے خلافت کے آخری سالوں میں ان تجربات سے متاثر ہو کر جس کی چند مثالیں میں نے درج کی ہیں، آپ کے ارادے میں بھی تذبذب پیدا ہوا اور جو

[۱] یہ واقعہ ہے کہ آج بائیبل کے نام سے کتابوں کا جو مجموعہ پایا جاتا ہے، ان کے متعلق اس کا پتہ چلانا کہ براہ راست موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں عطا کی گئی تھیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں جو باتیں فرماتے تھے اور بعد کو موسیٰ علیہ السلام کے جانشینوں نیز احبار و فقہا وغیرہ نے دین موسوی میں جن اجتہادی امور کا اضافہ کیا ان سب سے پیدا ہونے والے نتائج کے مطالبات میں کسی قسم کا کوئی فرق پایا نہیں جاتا۔ پھر خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو جو کچھ دیا گیا تھا اس کی تشریح و توضیح و تفسیر بعد کو جو لوگوں نے کی اصل متن توراۃ کے ساتھ سب مخلوط ہو چکے ہیں، ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناخن سے گوشت کو جدا کرنے کے مرادف ہے اور خیر یہود کا تو دین گو کسی نہ کسی شکل میں پایا بھی جاتا ہے، کچھ نہیں تو دوسری چیزوں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی کچھ باتیں ان میں بھی باقی ہیں دوسرے مذاہب کا حال تو یہ ہے کہ کتابوں پر کتابوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ تا ایں کہ آخر میں چند رزمی افسانوں پر ان کے دین کی بنیاد آج قائم ہے ہندوستان میں جس دین کا رواج تھا کہنے کو تو اس میں آسمانی کتاب کا بھی پتہ دیا جاتا ہے، تصوف و کلام (اپنشد) اور فقہ (شاستر) کا بھی نام لیا جاتا ہے لیکن پرانوں کے مروج ہونے کے بعد عمومی طور پر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہر چیز کو چھوڑ کر ایک سچا مخلص ہندو صرف بالمیکی کی رزمیہ نظم رامائن اور مہابھارت کو وید وید کے جنگ نامے کو پڑھ لینا کافی سمجھتا ہے۔ قطعی طور پر اس کتاب کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہے جس کے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ "برہما" پر وہ نازل ہوئی تھی ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت حال تھی اس کو دیکھتے ہوئے اس کیفیت کا پیدا ہونا بعید بھی نہ تھا خیال تو کیجئے کہ مہاجرین اولین بلائے جاتے ہیں، اور طاعون زدہ علاقہ کے متعلق کوئی علم ان کے پاس نہیں ہوتا، انصار آتے ہیں ان سے بھی دریافت کیا جاتا ہے ان کے پاس بھی قطعاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی روایت اس باب میں نہیں ملتی، فتح مکہ کے قریش سرداروں کو بلایا جاتا ہے وہ اس علم سے خالی نظر آتے ہیں آخر میں ایک آدمی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ملتی ہے، اور ایک مسئلہ جس میں مہاجرین میں بھی اور انصار میں بھی شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا خود حضرت عمرؓ کے پاس بھی کوئی علم اس باب میں پیغمبر کا عطا کیا ہوا موجود نہ تھا اپنی بصیرت سے وہ ایک رائے کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن بعض جلیل القدر صحابی کا حضرت عمرؓ کے اس اجتہادی فیصلہ پر اعتراض باقی رہتا ہے مسلمانوں میں خلفشار مچا ہوا ہے کہ اچانک ایک جاننے والا ان کے سامنے اس علم کو ۔ ۔ ۔ ۔ پیش کرتا ہے جس سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے، ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے، جس علم کے نتائج اتنے قیمتی ہوں جس وقت خیال حضرت عمرؓ کو آتا ہوگا کہ یہ افراد کے پاس پھیلا ہوا ہے۔ مرنے والے مر رہے ہیں جس کے پاس جو علم ہے اپنے ساتھ لئے چلا جا رہا ہے اگر اس حال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کے خیال میں تبدیلی پیدا ہوئی تو یقیناً یہ چیز ہی ایسی تھی کہ اس مقام پر جو بھی ہوتا اس کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ علم کے اس قیمتی ذخیرے کو ضائع ہونے سے بچا لیا جائے مگر دوسری طرف خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک تھا کہ معلومات کے اس ذخیرے کو اتنی اہمیت نہ دی جائے کہ آئندہ مسلمانوں کی بدبختوں میں بدبختیوں کے اضافہ کا ذریعہ وہ بن جاتے اور یہ چیز بھی ایسی نہ تھی کہ اس سے قطع نظر کر کے کوئی اقدام کر دیا جاتا آج لوگوں کے سامنے اس قسم کی روایتیں گذرتی ہیں پڑھنے والے ان کو پڑھ کر گذر جاتے ہیں ٹھہر کر ذرا کوئی نہیں سوچتا کہ پیغمبر کی حدیثوں کے قلم بند کرانے کا مسئلہ بھی کیا کسی مشورے کا محتاج تھا۔ نیکی میں بھی کیا پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کی مجلس شوریٰ میں اسی نیکی کے کام کو آخر کیوں پیش کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور پیش کرنے کے بعد مجلس کی رائے ان کو مطمئن کیوں نہیں کرتی، کام بھی نیک مشورہ دینے والوں کی جماعت بھی نیک، اس میں فکر و تامل کی کیا ضرورت تھی لوگ اپنا فیصلہ دے چکے تھے چاہئے تھا کہ اسی کے مطابق جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کی تدوین کا ایک دفتر خلافت کی طرف سے قایم کرکے قرآنی سورتوں کو ایک تقطیع پر لکھوا کر ایک ہی جلد میں مجلد کرانے کا کام کیا تھا۔ حضرت عمرؓ بھی "تدوین حدیث" کا ایک دفتر قایم کر دیتے، چند ہی دنوں میں "قرآن" کے ساتھ اس زمانہ میں حدیثوں کا بھی ایک مجموعہ حکومت کی طرف سے مدوّن کرایا ہوا مسلمانوں کو مل جاتا۔ اس سے بہتر تجویز اور کیا ہو سکتی تھی۔ لیکن عمرؓ یہی نہیں کہ صرف تامل سے کام لیتے ہیں بلکہ مخلوق سے ہٹ کر مسئلہ کی اہمیت ہی کا تو تقاضا تھا کہ خالق کے آستانہ پر اپنے آپ کو گرا دیتے ہیں اور کامل ایک مہینے تک خدا کی چوکھٹ پر ان کی جبین نیاز جھک جھک کر جو "خیر ہو، اسی کی توفیق عطا کی جائے" کی مسلسل درخواست میں مصروف رہتی ہے

آخر بات اگر اتنی ہی آسان تھی تو ان طول طویل قصوں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مگر سچ یہ ہے کہ جس دین کے بعد قدرت طے کر چکی تھی کہ نسل انسانی کو کوئی دین نہیں دیا جائے گا، اگر شروع ہی سے اس کے ہر ہر پہلو کی نگرانیوں میں ان نزاکتوں سے کام نہ لیا جاتا تو آج جس روز روشن کی شکل میں اس دین کے سارے عناصر ہر عامی و خاصی کے سامنے واضح ہیں، کیا یہ کیفیت ان کی کوششوں کے بغیر یوں ہی پیدا ہو جاتی۔

بلا شبہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ الہامی فیصلہ تھا کہ اپنی خلافت و حکومت کی جانب سے حدیثوں کے قلم بند کرانے کا خیال جو ان کے اندر حالات نے پیدا کر دیا تھا، اس خیال کو آپ نے دماغ سے باہر نکال دیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس استشارہ و استخارہ نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اور جن خطرات کا اندیشہ تھا ان کے تمام گوشوں کو نئے سرے سے تازہ کر کے آپ کے سامنے پیش کیا بظاہر اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حکومت ہی کی طرف سے "تدوین حدیث" کے کام کو اپنے زمانہ میں ایک خطرناک اقدام آپ نے قرار دیا بلکہ آپ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد خلافت تک تقریباً ایک جگ (بارہ سال) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو گذر چکا تھا، اس عرصے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر لوگ حدیثوں کو پھر قلم بند کرنے لگے تھے ابن سعد نے قاسم بن محمد کے حوالہ سے جو روایت طبقات میں درج کی ہے اس کے ان الفاظ سے یعنی

ان الاحادیث قد کثرت علی عہد عمر بن الخطاب فانشد الناس ان یاتوہ بھا	عمر بن الخطاب کے زمانہ میں حدیثوں کی بھر کثرت ہو گئی تب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو قسمیں دے کر حکم دیا کہ ان حدیثوں کو ان کے پاس پیش کریں۔

سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ سال کے عرصہ میں پھر حدیثوں کے کافی مجموعے لکھے جا چکے تھے شاید اس عرصہ میں حضرت عمرؓ کی طرف سے کچھ ڈھیل بھی لوگوں کو مل گئی ہو کیونکہ جب خود ان ہی میں حدیثوں کے لکھوانے اور مدون کرانے کا خیال پیدا ہو چکا تھا، تو ایسے زمانے میں دوسروں کو روکنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی مگر استخارہ نے آپ کے اندر جس عزم راسخ کو پیدا کیا اس کے بعد خود تو خیر آپ اس ارادے سے ہٹ ہی گئے لیکن اسی کو کافی خیال نہ کیا۔ آپ کو محسوس ہوا ہوگا کہ حکومت کی طرف سے نہ سہی لیکن عمر فاروق کے زمانہ کی مدون کی ہوئی حدیث کی کتاب بھی کچھ کم اہمیت آئندہ زمانہ میں نہ حاصل کرے گی بہرحال قاسم بن محمد کا بیان ہے۔

فلما اتوہ بھا امر بتحریقھا طبقات ص۱۴۱ ج ۵	حسب الحکم حضرت عمرؓ کے پاس اپنے اپنے مجموعہ کو لوگوں نے پیش کر دیا تب آپ نے ان کے جلانے کا حکم دیا۔

اور حدیثوں کے نذر آتش کرنے کا یہ تیسرا واقعہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک پیش آیا ہے، پہلی دفعہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں سے لے کر اس کو ختم کیا پھر ابو بکر صدیق نے اپنے مدونہ مجموعہ کے ساتھ یہی کارروائی کی اور تیسرا واقعہ "تدوین حدیث" کی تاریخ میں پیش آیا کہ بکثرت حدیثوں کے مجموعے تیار کئے گئے لیکن سب کو قسمیں دے دیکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ نے منگوالیا پھر سب کو یہ تیسری دفعہ آپ سے نذر آتش فرمادیا۔

اور یہ کام تو پایۂ تخت خلافت میں کیا گیا، باقی فتوحات فاروقی نے اسلامی علاقوں کے طول وعرض کو جتنا پھیلا دیا تھا اور ان علاقوں کی حفاظت وصیانت کے لئے "الامصار" یعنی مسلمانوں کی جو چھاؤنیاں قایم کی گئی تھیں، اور صحابہ کی بہت بڑی تعداد ان ہی "الامصار" میں جاکر آباد ہوگئی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان امصار میں ہر مصر اور چھاؤنی میں بھی حضرت عمرؓ نے گشتی فرمان جاری کیا حافظ ابوعمر وبن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں یحییٰ بن جعدہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اراد ان یکتب السنۃ ثم بدا لہ ان لا یکتبہا ثم کتب فی الامصار من کان عندہ شئ فلیمحہ ص۶۵ ج۱ جامع بیان العلم

عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (پہلے تو یہ) چاہا کہ حدیثوں کو قلم بند کرلیا جائے مگر پھر ان پر واضح ہوا کہ قلم بند کرانا ان کا مناسب نہ ہوگا تب الامصار (یعنی چھاؤنیوں اور دوسرے اضلاعی شہروں) میں یہ لکھ کر بھیجا کہ جس کے پاس (حدیثوں کے سلسلے کی کوئی چیز ہو چاہئے کہ اسے محو کر دے یعنی ضائع کردے

اس روایت سے بھی حضرت عروہ کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ ارادہ کرنے کے بعد حدیثوں کے لکھوانے کے خیال سے حضرت عمرؓ دست بردار ہوگئے، اور دوسرے مسلمانوں

لہ اور ان لوگوں کو جنہوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ سامان کتابت کی کمی یا جہالت وغیرہ کی وجہ سے ڈھائی تین سو سال تک حدیثوں کو قلم بند ہونے کا موقع نہ ملا سوچنا چاہئے کہ واقعات سے وہ کس درجہ جاہل ہیں حضرت عمرہی کے عہد تک آپ دیکھ رہے ہیں کہ تین تین دفعہ قلم بند ہونے کے بعد حدیثیں نذر آتش کی گئی ہیں عہد فاروقی میں قاسم بن محمد کا یہ کہنا کہ قد کثرت الاحادیث علی عہد عمر بن الخطاب کیا اس سے نہیں معلوم ہوتا کہ حدیثوں کے بکثرت مجموعے ان کے زمانے میں لکھے جاچکے تھے مگر مطالعہ کے بغیر رائے قایم کرنے والوں کو اس زمانہ میں کون روک سکتا ہے ۱۲

© rasailojaraid.com